© rasailojaraid.com

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"قانون توہینِ رسالت" کے حوالے سے ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے حکومتِ پاکستان کو جو مشورہ دیا ہے، اس پر مختلف حلقوں کا ردِ عمل سامنے آچکا ہے، مسیحی برادری کے بعض رہنماؤں نے ایک بار پھر کوشش کی ہے کہ وہ وطنِ عزیز کے کروڑوں عوام کے شانہ بشانہ کھڑے ہونے کے بجائے "انسانی حقوق" کے نام نہاد علمبرداروں کے ساتھ کھڑے ہوں۔ انہیں "انسانی حقوق کمیشن پاکستان" سے بھی یہ شکوہ ہے کہ اُس نے کھل کر امریکی مشورے کی تائید کیوں نہ کی، جبکہ وہ "قانون توہینِ رسالت" کی تنسیخ کے لیے مہم چلاتا رہا ہے۔ (دیکھیے: زیرِ نظر شمارے کے صفحات ۲۷-۳۲)

اس سلسلے میں "پاکستان کرسچین کانگرس" کے جناب ناظر بھٹی نے تو یہ کہہ کر حد کردی کہ "پاکستانی جماعتیں کشمیر، افغانستان اور دیگر مقامات پر مسلح اقلیتوں کی مدد کرتی ہیں، مگر امریکہ پاکستانی عیسائیوں کے لیے آواز اٹھائے تو احتجاج کیا جاتا ہے۔" "قانون توہینِ رسالت" کے بارے میں امریکی مشورے اور پاکستانی جماعتوں کی کشمیر اور افغانستان کے بارے میں پالیسی کو ایک سطح پر رکھنا کسی طرح درست نہیں۔ اولاً پاکستان کی مسیحی برادری کی جان و مال کو بحیثیتِ مجموعی کوئی خطرہ لاحق نہیں، اس کے نمائندے اسمبلیوں میں موجود ہیں، دوسری مذہبی اقلیتوں کی طرح اُن کی فلاح و بہبود کے منصوبے جاری ہیں جن میں مسیحی نمائندے حصّہ لے رہے ہیں، اور اگر انسانی معاشرتی کمزوریوں کے تحت کوئی مسئلہ پیدا ہوا ہے تو اسے عامتہ المسلمین کی سطح پر اچھا سمجھا گیا ہے اور نہ حکومتی سطح پر، ہر طبقے نے اپنی حد تک متاثرین سے یک جہتی کا اظہار کیا ہے اور ظلم و جبر کے ذمہ دار افراد کو سزا دیے جانے کی اپیلیں کی گئی ہیں۔ ثانیاً حکومتِ امریکہ کے موقف کو پاکستانی عوام کے کسی طبقے کے نقطۂ نظر کے برابر خیال کرنا درست نہیں۔ وطنِ عزیز کے کسی طبقے یا جماعت کا موقف لازماً حکومتی موقف نہیں ہوتا۔ اگر ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے کسی مسیحی گروہ نے اپنے ہم مذہب پاکستانی مسیحیوں (جن سے اُن کے روابط کی تاریخ نو آبادیاتی دور تک جاتی ہے، اور انہی کے توسط سے پاکستان کی مسیحی آبادی نے مسیحیت کا پیغام سنا تھا) کے حق میں کوئی بیان دیا ہوتا تو شاید یہ ردِ عمل سامنے نہ آتا، اور وقتاً فوقتاً مغربی مسیحی ایونجلیکل گروہ ایسے بیانات جاری کرتے رہے ہیں، مگر سرکاری سطح پر ان کا کبھی کوئی نوٹس لیا گیا اور نہ لیا جانا چاہیے تھا۔

مندرجہ بالا اصولی باتوں کے ساتھ کشمیر کے حوالے سے مسیحی بھائیوں کو سوچنا چاہیے کہ کیا اُن کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موقف وہی نہ ہونا چاہیے جو ایک عام پاکستانی کا ہے۔

۱۹۴۷ء میں ہندوستان کی تقسیم کے وقت دیسی ریاستوں کے حکمرانوں کو اپنی ریاستوں کے محلِ وقوع اور آبادی کے مذہب کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے نو آزاد ہندوستان یا پاکستان میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کرنا تھا۔ ریاست جموں و کشمیر کے راجا نے اپنی اکثریتی مسلم آبادی کے پیش نظر حکومت پاکستان کے ساتھ معاہدہ بھی کر لیا، مگر بعد ازاں برطانیہ اور انڈین نیشنل کانگرس کے رہنماؤں نے ملی بھگت سے نہ صرف کشمیر کے راجا کو اپنے وعدے سے منحرف کر دیا، بلکہ گورداسپور کا مسلم اکثریتی ضلع ہندوستان کے حوالے کر کے کشمیر پر غاصبانہ قبضہ جمانے کی راہ ہموار کی۔ کشمیر کے مسلمانوں نے برطانوی استعماری مفادات کو کوئی اہمیت نہ دیتے ہوئے، اپنی آزادی کی جدوجہد شروع کر دی، اور نو آزاد ہندوستان کی پالیسیوں کے ردِ عمل میں پاکستان کو کشمیری عوام کی حمایت میں مداخلت کرنا پڑی۔ ہندوستان نے اقوام متحدہ کا دروازہ کھٹکھٹایا اور عالمی برادری نے اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم پر کشمیری عوام سے وعدہ کیا کہ وہ استصواب رائے کے ذریعے اپنی قسمت کا خود فیصلہ کریں گے۔ اس مقصد کے لیے اقوام متحدہ کی طرف سے افسران کا تقرر بھی ہو گیا، مگر دُنیا کے بزرجمہروں نے انسانی اخلاق اور بنیادی حقوق پر اپنے اپنے قومی مفادات کو ترجیح دی، اور کشمیر میں استصواب رائے نہ ہو سکا۔ آج ایک بار پھر کشمیر کے عوام آزادی کی لڑائی لڑ رہے ہیں اور اُنھیں شکست دینے کے لیے ہر سات کشمیریوں پر ایک بھارتی سپاہی متعین ہے۔ کیا جناب ناظر بھٹی جیسے دوست کشمیر کو ایک متنازعہ علاقہ نہیں سمجھتے، اقوام متحدہ کی قراردادیں اُن کے نزدیک مؤثر نہیں، اور آزادی خواہوں کو کشمیریوں کی حمایت نہ کرنا چاہیے؟ اگر ناظر بھٹی جیسے دوست کشمیریوں کی کوئی عملی یا اخلاقی مدد نہیں کر سکتے تو کم از کم اُنھیں مصر کی روایتی بڑھیا کی طرح "یوسف کے خریداروں" میں تو شامل ہونا چاہیے۔

© rasailojaraid.com